نقد واستدراک

بعض قرآنی الفاظ کے مواقع استعمال

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

مجلہ "تحقیقات اسلامی" کے شمارہ جنوری۔ مارچ ۹۵ء میں مولانا سلطان احمد اصلاحی کا ایک مقالہ "فلسفہ نظم قرآن۔ ایک متوازن نقطۂ نظر" کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ پھر اسی مجلہ کے شمارہ جولائی ستمبر ۹۵ء میں اس مقالہ کا ایک تنقیدی جائزہ مولانا محمد عنایت اللہ سبحانی کے قلم سے شائع ہوا۔ اس وقت ان مقالات پر کوئی تبصرہ یا ان کا محاکمہ مقصود نہیں ہے بلکہ ان کے ذکر کا مقصد یہ ہے کہ ان میں بعض قرآنی الفاظ کے جو مفہوم یا ان کے جو مواقع استعمال بیان کیے گئے ہیں وہ راقم کے نزدیک صحیح نہیں معلوم ہوتے۔ قرآنیات کے ایک حقیر طالب علم کی حیثیت سے ان پر بدلائل کچھ اظہار خیال کرنا چاہتا ہوں۔

حجر یا حجارۃ کا مفہوم؟

لفظ حجارہ کے سلسلہ میں مولانا سبحانی نے اپنے مقالہ میں یہ تحقیق پیش کی ہے کہ اس کا استعمال ہمیشہ بڑے بڑے پتھروں کے لیے ہوتا ہے لکھتے ہیں:

"ہمارے کمپیوٹر کا تو اس پر اصرار ہے کہ لفظ حجر یا حجارہ کا استعمال ہمیشہ بڑے بڑے پتھروں کے لیے ہوتا ہے جن کا کم سے کم حجم اونٹ کے سر کے برابر ہو اور جن کا کسی چڑیا کی چونچ میں آنا ممکن نہ ہو۔ ورنہ زیادہ تر تو اس کا استعمال پتھر کی بڑی بڑی سلوں اور چٹانوں کے لیے ہوتا ہے"[ص ۲۹]

اس کے بعد انھوں نے قرآن اور کلام عرب سے بعض مثالیں پیش کی ہیں جن میں ان کے بقول حجارہ کا استعمال پہاڑوں، چٹانوں، پتھروں یا بتوں کے لیے ہوا ہے۔ مزید لکھتے ہیں:۔

"ہم تو آنجناب سے چاہیں گے کہ وہ قرآن پاک یا حدیث صحیح یا مستند کلام عرب میں چھوٹی چھوٹی کنکریوں کے لیے لفظ حجارہ کا کوئی ایک ہی

استعمال دکھادیں تو شاید ان کی بات کچھ لائق اعتنا ہو سکے"۔ (ص ۲۹۴)

ان اقتباسات میں مولانا نے کوئی وضاحت نہیں کی کہ انھوں نے حجر یا حجارہ کا جو کم سے کم حجم (اونٹ کے سر کے برابر) متعین کیا ہے اس کی سند کیا ہے؟ کیا قرآن یا حدیث سے اس کی تعیین ہوتی ہے؟ یا کلام عرب اور کتب لغت میں اس کی صراحت ملتی ہے؟ جہاں تک قرآن، حدیث اور کلام عرب کا تعلق ہے تو وہ اس تحقیق کا ساتھ نہیں دیتے، بلکہ ان کا استقراء کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حجر اور حجارہ کا استعمال جہاں پہاڑوں، چٹانوں اور بڑے پتھروں کے لیے ہوتا ہے وہیں ان کا اطلاق چھوٹے حجم کے پتھروں اور کنکروں پر بھی ہوتا ہے۔ ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

(الف) قرآن میں

۱۔ قرآن کریم میں لفظ حجارہ کے بعض استعمالات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں حجم کا بیان مقصود ہی نہیں ہے بلکہ ان میں محض ان کی سختی اور صلابت کا حوالہ دیا گیا ہے۔ مثلاً

قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ۙ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ (الاسراء: ۵۰-۵۱)

اس آیت میں 'حجارہ' اور 'حدید' سے اشارہ "سخت تر چیز" کی طرف ہے نہ کہ کسی مخصوص حجم کی چیز کی طرف۔ چنانچہ اس آیت کا ترجمہ اردو مفسرین نے یوں کیا ہے:

"تم کہدو ہاں تم (مرنے کے بعد) کچھ ہی کیوں نہ ہو جاؤ، پتھر ہو جاؤ، لوہا ہو جاؤ یا کوئی اور چیز جو تمہارے خیال میں (دوبارہ زندہ ہونے کے لیے) بہت ہی سخت ہو"۔ (مولانا آزادؒ)

"ان سے کہدو: تم پتھر یا لوہا بھی ہو جاؤ یا اس سے بھی سخت کوئی چیز جو تمہارے ذہن میں قبولِ حیات سے بعید تر ہو....." (مولانا مودودیؒ)

"کہدو کہ تم پتھر یا لوہا بن جاؤ یا کوئی اور شے جو تمہارے خیال میں ان سے بھی سخت ہو"۔ (مولانا امین احسن اصلاحی)

" اگر ممکن ہو تو پتھر یا لوہا بن جاؤ جو آثارِ حیات کے قبول کرنے سے بالکل محروم نظر آتے ہیں یا کوئی اور سخت چیز بن کر تجربہ کر لو جس کا زندہ ہونا لوہے اور پتھر سے بھی زیادہ مشکل معلوم ہو"۔ (تشریح مولانا شبیر احمد عثمانیؒ)

ایک دوسری آیت ہے:

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ط (البقرہ۔۷۴)

آخر کار تمہارے دل سخت ہوگئے پتھروں کی طرح سخت، بلکہ سختی میں کچھ ان سے بھی بڑھے ہوئے۔

اس آیت میں بھی دل کی سختی کو پتھر کی سختی کے مشابہ قرار دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں حجارہ سے مراد کسی مخصوص حجم کا پتھر نہیں ہے۔

۲۔ قوم لوط پر عذاب کی جو تفصیل قرآن کی مختلف سورتوں میں آئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی بستی کو تلپٹ کر دیا گیا اور اوپر سے پتھروں کی بارش کی گئی۔ سورہ ہود۔ ۸۲ اور سورہ الحجر۔ ۷۴ میں اس کے لیے حجارۃ من سجّیل اور سورہ الذاریات ۳۳ میں حجارۃ من طین کے الفاظ آئے ہیں۔ جبکہ سورۃ القمر۔ ۳۴ میں حاصب کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اگر تفسیر القرآن بالقرآن کا اصول پیش نظر رکھا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ تینوں الفاظ کا مدلول ایک ہی ہے تینوں کے ذریعہ ایک ہی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ عربی زبان میں حصباء چھوٹی کنکریوں کو کہا جاتا ہے اور حاصب سے مراد وہ تیز آندھی ہے جو اپنے ساتھ دھول اور کنکریوں کو اڑاتے ہوئے چلتی ہے (الحصباء هو الحصى الصغار، والحاصب: ريح شديدة تحمل التراب والحصباء)[1]

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن نے حجارہ کا استعمال صرف بڑے پتھروں کے لیے نہیں بلکہ چھوٹے پتھروں کنکروں اور کنکریوں کے لیے بھی کیا ہے۔

(ب) احادیث میں

احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حجارہ کا اطلاق چھوٹے پتھروں اور کنکریوں پر بھی ہوتا ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:

۱۔ ایک مشہور حدیث میں ہے کہ قبیلۂ عرینہ کے کچھ لوگوں کو مدینہ کی آب و ہوا راس نہ آئی تو آنحضرتؐ نے بطور علاج انھیں صدقہ کے اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پینے کی ہدایت فرمائی۔ انھوں نے باغیانہ حرکت یہ کی کہ چرواہے کو قتل کر کے جانوروں کو اپنے ساتھ ہانک لے گئے۔ آنحضرتؐ کو علم ہوا تو آپ نے انھیں گرفتار کروایا اور انھیں جو عبرتناک سزا دی اسے

---

[1] لسان العرب۔ ابن منظور دار صادر بیروت مجلد اول ص/۳۱۹۔ ۳۲۰

راوی حدیث حضرت انسؓ نے یوں بیان کیا ہے۔

فقطع ایدیھم و ارجلھم	آنحضرتؐ نے ان کے ہاتھ پیر کٹوا دیئے،
وسمر اعینھم وترکھم	آنکھوں میں سلائیاں پھروادیں اور انھیں
بالحرۃ یعضون الحجارۃ [۱]	حرّہ میں ڈلوا دیا جہاں وہ پتھر چباتے تھے۔

ظاہر ہے یہاں حجارہ سے مراد کنکریاں اور چھوٹے پتھر ہیں جو منہ میں آسکیں۔ اسے محاورہ قرار دے کر معنیٰ اصلی سے نہیں پھیرا جا سکتا۔ اس لیے کہ عربی میں یہ کوئی محاورہ نہیں ہے۔

۲۔ حدیث ماعزؓ میں ہے کہ جب حضرت ماعزؓ پر رجم کی سزا نافذ کی گئی اور ان پر پتھر پڑنے لگے تو وہ بھاگنے لگے صحابہ نے انھیں مقام حرّہ میں جالیا اور اتنے پتھر مارے کہ جان نکل گئی۔ (فلما اذ لقتہ الحجارۃ ھرب حتی ادرکناہ بالحرۃ فرجمناہ [۲]) اگر یہ پتھر صرف بڑے بڑے ہی تھے تب تو ان کا دو تین پتھروں ہی میں دم نکل جاتا۔ بھاگنے کی نوبت ہی نہ آتی۔

۳۔ حضرت عبدالرحمٰن بن یزید حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ اپنے ایک سفرِ حج کا حال یوں بیان فرماتے ہیں:

کنت مع عبد اللہ حتی انتھی	میں حضرت عبداللہ کے ساتھ تھا۔ وہ جمرۂ
الی جمرۃ العقبۃ فقال ناولنی احجاراً	عقبہ پہنچے تو مجھ سے فرمایا: مجھے کچھ پتھر لا کر دو۔
قال فناولتہ سبعۃ احجار فقال	میں نے انھیں سات پتھر لا کر دیے انھوں
لی خذ بزمام الناقۃ۔ قال ثم عاد	نے میرے ہاتھ میں اونٹنی کی لگام دی۔ پھر
الیھا فرمی بھا من بطن الوادی	جمرہ سے قریب ہوئے اور سوار رہتے ہوئے
بسبع حصیات [۳]	بطن الوادی سے سات کنکریاں ماریں۔

اس روایت میں 'سبعۃ احجار' ہی کے لیے بعد میں 'سبعۃ حصیات' کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ گویا راوی کی نظر میں احجار (پتھر) اور 'حصیات' (کنکریوں) میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کنکریوں ہی کے لیے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بھی احجار کا لفظ استعمال کیا اور ان

---

[۱] صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ۔ باب استعمال ابل الصدقۃ والبانہا لابناء السبیل

[۲] صحیح بخاری، کتاب المحاربین، باب لایرجم المجنون

[۳] مسند احمد قدیم ایڈیشن ۱/۴۲۷ مسند عبداللہ بن مسعود

کے رفیق سفر نے بھی۔

۴۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ استنجاء کے لیے پتھروں کا بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ حضرت سلمان فارسی فرماتے ہیں۔

نهانا..... ان لا نستنجي باقل من ثلاثة احجار[۱]	ہمارے نبیؐ نے ہمیں منع کیا ہے کہ ہم استنجاء میں تین پتھروں سے کم استعمال کریں۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اذا ذهب احدكم الى الغائط فليذهب معه بثلاثة احجار[۲]	جب تم میں سے کوئی رفع حاجت کے لیے جائے تو اپنے ساتھ تین پتھر لے جائے۔

اگر احجار اور حجارۃ کا اطلاق صرف بڑے پتھروں پر ہوتا ہے تو کیا چھوٹے پتھروں کے استعمال سے طہارت نہیں حاصل ہوگی؟ احادیث میں پتھروں کے حجم کے سلسلہ میں کوئی صراحت نہیں ملتی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پتھر چاہے جس حجم کے ہوں ان کا استعمال طہارت کے لیے کافی ہے۔

(ج) لغت اور کلام عرب میں

لغت اور کلام عرب میں بھی حجارہ کے مفہوم میں حجم شامل ہونے کی کوئی صراحت نہیں ملتی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عربی زبان میں خاص قسم کے معدن کو حجر کہتے ہیں خواہ وہ کسی حجم کا ہو۔ راغب اصفہانی نے لکھا ہے:

الحجر: الجوهر الصلب المعروف وجمعه احجار وحجارة[۳]	حجر مشہور سخت معدن کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع احجار اور حجارہ دونوں آتی ہے۔

کلام عرب میں حجر کا استعمال پتھر کی نوع کی ہر چیز حتی کہ ریگ (رمل) کے لیے بھی ہوتا ہے۔ لسان العرب میں ہے۔

---

[۱] صحیح مسلم۔ کتاب الطہارۃ۔ باب الاستطابۃ۔

[۲] سنن ابی داؤد۔ کتاب الطہارۃ۔ باب الاستنجاء بالاحجار۔

[۳] المفردات فی غریب القرآن۔ المطبعۃ المیمنیہ مصر ص/۱۰۷

وربما کنی بالحجر عن الرمل	بسا اوقات 'حجر' کو 'رمل' کے معنی میں استعمال
حکاہ ابن الاعرابی وبذلک	کیا گیا ہے۔اسے ابن الاعرابی نے بیان کیا
فسر قولہ عشیۃ احجار	ہے۔ مثلاً مصرع عشیۃ احجار الکناس
الکناس رمیم، قال اراد	رمیم میں احجار الکناس سے مراد
عشیۃ رمل الکناس [1]	رمل الکناس ہے۔

گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ حجارہ کے لیے حجم کی کوئی قید نہیں ہے۔ اس کا اطلاق پہاڑوں چٹانوں اور بڑے پتھروں کے علاوہ چھوٹے سے چھوٹے پتھروں، کنکریوں ریت، غرض پتھر کی جنس کی ہر چیز پر ہو سکتا ہے۔

'ارسلنا علی' کے مواقع استعمال؟

مولانا سلطان احمد اصلاحی نے اپنے مضمون میں لکھا ہے:

"ارسلنا علی کا استعمال بلا استثناء کتاب اللہ میں مختلف چیزوں کو سرکش اقوام وجماعات پر عذاب الٰہی کے طور پر بھیجنے کے لیے ہے"۔ (ص۲۳)

انھوں نے یہ بات مولانا فراہیؒ کی تفسیر سورۂ فیل پر تنقید کرتے ہوئے کہی ہے۔ ان کے مطابق مولانا فراہی نے 'اَرۡسَلۡنَا عَلَیۡہِمۡ طَیۡرًا اَبَابِیۡلَ' کی جو تفسیر بیان کی ہے اس سے عذاب کا مفہوم واضح نہیں ہو پاتا۔ اس کے جواب میں مولانا عنایت اللہ سبحانی نے بڑے تیکھے انداز میں یہ اظہار خیال کیا ہے:

"سوال یہ ہے کہ علامہ فراہیؒ نے کیا اپنی تفسیر سورۂ فیل میں کہیں یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ چڑیاں اصحاب الفیل کو سلامی اتارنے یا ان کی شان بڑھانے آئی تھیں؟ عام طور سے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ چڑیاں ان پر چھوٹی چھوٹی کنکریاں برسانے آئی تھیں۔ علامہ فراہیؒ یہ فرماتے ہیں کہ وہ خوفناک قسم کی گوشت خور چڑیاں تھیں جو انھیں چیرنے پھاڑنے اور نوچ نوچ کر کھانے آئی تھیں، تو کیا اگر اللہ تعالیٰ کسی گروہ یا لشکر کو ہلاک کر کے چیل کووں سے اسے نچوادے

---

[1] لسان العرب مجلد ۴ ص ۱۶۶

تو اسے عذاب نہیں کہا جائے گا؟ اگر عذاب نہیں تو اسے اور کیا نام دیا جائے گا" (ص ۲۹۴)

ان اقتباسات سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں :

۱۔ 'ارسل علی' کا استعمال قرآن میں بلا استثناء عذاب کے لیے ہوا ہے۔

۲۔ مولانا فراہیؒ نے بھی سورۂ فیل میں 'ارسلنا علی' کو عذاب کے مفہوم میں لیا ہے۔

قرآنی آیات کے استقراء اور مولانا فراہی کی تحریروں کے مطالعہ سے یہ دونوں باتیں صحیح نہیں معلوم ہوتیں۔ سطور ذیل میں اس پر کچھ روشنی ڈالی جاتی ہے :

عذاب کے علاوہ دیگر معانی

قرآن میں 'ارسل علی' کے بیشتر مواقع استعمال میں عذاب کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ لیکن اس کا استعمال بعض دیگر معانی کے لیے بھی ہوا ہے۔ چنانچہ بعض مواقع پر وہ انعام کے معنی میں ہے۔ حضرت نوح نے اپنی قوم کو توبہ واستغفار کی تلقین کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے احسانات یوں یاد دلائے : يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا (نوح-۱۱) ترجمہ: وہ تم پر آسمان سے خوب بارش برسائے گا۔ اللہ کی اس نعمت کا تذکرہ حضرت ہود نے بھی اپنی قوم کے سامنے کیا (ہود-۵۲) نیز قرآن نے مشرکین کے سامنے گزشتہ قوموں کی مثال بیان کرتے ہوئے اسی نعمت کا ذکر کیا (الانعام-۶) ان تینوں آیات میں 'ارسل علی' کا استعمال انعام کے معنی میں ہوا ہے۔ اسی طرح بعض دیگر آیات میں وہ غلبہ کے معنی میں آیا ہے :

فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا (النساء-۸۰، الشوریٰ-۴۸)

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا (الاسراء-۵۴)

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً (الانعام-۶۱)

أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا (مریم-۸۳)

مولانا فراہیؒ کے نزدیک ارسل علی کا مفہوم

مولانا فراہی نے اپنی تفسیر سورۂ فیل میں 'ارسل علی' کی لغوی تشریح کرتے ہوئے بس اتنا ہی لکھا ہے :

واما 'ارسل علیہم' فعلیٰ ھاھنا جامعۃ لمعنی العلوّ والضرر، کما قال تعالیٰ اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَیْہِمْ رِیْحًا صَرْصَرًا، وایضا اِنَّا اَرْسَلْنَا الشَّیَاطِیْنَ عَلَی الْکَافِرِیْنَ [۱]	حرف علیٰ میں یہاں غلبہ اور ضرر دونوں کا مفہوم پنہاں ہے جیسا کہ ان آیات میں ہے اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَیْہِمْ رِیْحًا صَرْصَرًا (قمر-۳۴) اور اِنَّا اَرْسَلْنَا الشَّیَاطِیْنَ عَلَی الْکَافِرِیْنَ (مریم-۸۳)

ان کے شاگرد رشید مولانا امین احسن اصلاحی نے یہ تشریح کی ہے :

"ارسل علیہم میں مسلّط کر دینے کا مضمون ہے۔ جس سے اصحاب فیل کی کسمپرسی کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ کوئی ان کی لاشوں کو ٹھکانے لگانے والا نہیں تھا۔ اس وجہ سے چڑیوں کو پوری آزادی سے ان پر تصرف کرنے کا موقع ملا" [۲]

ان تشریحات سے عذاب کا مفہوم واضح نہیں ہو پاتا۔ مولانا فراہی نے اَرْسَلَ عَلَیْہِمْ طَیْرًا اَبَابِیْلَ کی جو تفسیر کی ہے اس سے اصحاب فیل پر عذاب کے بجائے اہل مکہ پر امتنان و احسان کا پہلو ابھر کر سامنے آتا ہے۔ دو اقتباسات ملاحظہ ہوں:

ان اللہ تعالیٰ ارسل من البحر طیورًا جوارح عظاما لتاکلھم وطھّر جانب مکۃ من جیف الافیال واصحابھا التی لو بقیت لم یکن لقریش ان یسکنوھا الی مدۃ [۳]	کہ بیکر ہاتھیوں اور مقتولوں کی لاشوں کو کھانے کے لیے خدا نے سمندر کی جانب سے بڑی بڑی چڑیوں کے جھنڈ بھیجے اگر یہ لاشیں پڑی رہتیں تو ایک مدت تک کے لیے مکہ ناقابل سکونت ہو جاتا۔
ان فی ذلک لآیۃ ظاھرۃ فانہ تعالیٰ منع بلدہ المحرم واھل البلد بماصبّ علی اعدائہ من الحصباء [۴]	اس میں اللہ کے دشمنوں کی سنگ ریزوں اور گرد و غبار سے عبرت انگیز بربادی کے ذریعے مکہ اور اہل مکہ کی حفاظت پھر طیر ابابیل

---

[۱] تفسیر سورۂ فیل مطبعۃ معارف اعظم گڑھ ۱۹۳۵ء ص/۲

[۲] تدبر قرآن۔ تاج کمپنی دہلی جلد ۹ ص/۵۶۱ [۳] تفسیر سورۂ فیل ص/۲۱

[۴] اس اقتباس میں مولانا فراہی نے حجارہ کی تشریح 'الحصباء والتراب' سے کی ہے۔ حصباء چھوٹی کنکریوں=

والتراب وطہّر جوار مکة من جیف المرمی ⠀⠀ کے ذریعہ سے جوار مکہ کی تطہیر کی واضح

بما ارسل علیھم من طیرا ابابیل تا کلھم[۱] ⠀⠀ نشانیاں موجود ہیں۔

جب کہ قرآنی استقراء سے معلوم ہوتا ہے کہ جن آیات میں 'ارسل علی' کا استعمال عذاب کے معنی میں ہوا ہے۔ ان میں علی کے بعد مذکور اشیاء کے ذریعہ براہِ راست عذاب دیا گیا۔ مثلاً ریح (تیز آندھی) حاصب (غبار اور کنکر اڑانے والی آندھی) صیحہ (دھاکہ) سیل العرم (زبردست سیلاب) اور قوم موسیٰ پر آنے والے عذاب وغیرہ۔

مذکورہ دونوں الفاظ (حجارۃ اور ارسل علی) کے مفہوم اور مواقع استعمال کی بحث مولانا فراہیؒ کی تفسیر سورۂ فیل کے ضمن میں اٹھی ہے۔ یہاں اس تفسیر پر اظہارِ خیال کا موقع نہیں۔ اس کے لیے ملاحظہ کیجئے ہمارا مقالہ "مولانا فراہیؒ کی تفسیر سورۂ فیل" جو ماہنامہ حیات نو اعظم گڑھ دسمبر ۸۷ء، جنوری ۸۸ء اور پاکستان میں ماہنامہ حکمت قرآن فروری مارچ ۸۸ء میں شائع ہوا تھا۔

کو کہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا بھی حجارۃ کو بڑے پتھروں کے لیے خاص نہیں مانتے۔ [۱] تفسیر سورہ فیل ص ۲۸

ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی کی ایک اہم پیش کش
مولانا سید جلال الدین عمری کی تصنیف

اسلام اور مشکلاتِ حیات

- اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں پر مشکلات اور مصائب کیوں آتے ہیں؟
- اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو ملّی اور اجتماعی، شخصی اور انفرادی مشکلات سے کیوں گزارا جاتا ہے؟
- امراض، جسمانی تکالیف، مالی مشکلات، حادثات اور صدمات میں ایک مومن کا کیا رویہ ہونا چاہیے؟
- مرض اور مشکلات حیات میں خودکشی کیوں ناجائز ہے؟
- مرض کی شدت میں کسی کی جان کیوں نہیں لی جاسکتی؟

یہ کتاب قرآن وحدیث کی روشنی میں ان سوالات کا جواب فراہم کرتی ہے، مؤثر اندازِ بیان، دل نشیں بحث اور علمی اسلوب۔ ' انسٹ کی حسین طباعت، خوب صورت سرورق۔ ضخامت ۸۸ صفحات۔ قیمت ۸ روپئے
ملنے کا پتہ: مینجر مکتبہ تحقیق وتصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی۔ دودھ پور علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱